خارجہ تعلقات کے نبوی اصول اور عصر حاضر میں ان کا اطلاق

The Prophetic Principles of Foreign Relations and its Implementation in the Contemporary Era

ڈاکٹر احمد رضا[1] ڈاکٹر محمد شاہد[2]

Abstract

The Prophet Muḥammad (PBUH) set the most perfect standards for the conduct of international relations and diplomats as well. When the Holy Prophet (PBUH) migrated to Medīna and founded Islam's first state, He was conscious of maintaining cordial relations between Muslims and other communities, so He concluded the Charter of Medīna. He made diplomatic relations with other countries. In this regard He made agreements, wrote letters and sent ambassadors. Under the directives of the Holy Prophet some companions learnt foreign languages in order to pursue meaningful diplomacy with those states where they were sent. The Holy Prophet exhibited excellent diplomatic skills that went a long way in establishing good and friendly relations between nascent Islamic state and foreign countries. In This paper the principles of International relations of the Holy Prophet Muḥammad PBUH have been discussed briefly and also suggested valid solutions regarding Foreign Relations in the cotemporary era.

Key words: Foreign Relations, Principles، implementation, sīrah.

تعارف

ریاست کے اہم مقاصد کے حصول کے لیے حکومت کی جانب سے وضع کردہ حکمت عملی کو خارجہ تعلقات یا خارجہ امور کہتے ہیں۔ جب ایک آزاد اور خود مختار ریاست دنیا کی دوسری آزاد اور خود مختار ریاستوں کے ساتھ تعلقات کی استواری کے لئے ایک پالیسی طے کرتی ہے تو اسے خارجہ پالیسی کہا جاتا ہے۔ بین الاقوامی طرزِ حکومت اور مفادات کو سمجھنے کے لیے خارجہ پالیسی ایک اہم کلید ہوتی ہے۔ ریاستوں کے مابین الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لیے خارجہ پالیسی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ خارجہ پالیسی صرف اور صرف ملکی و قومی مفاد پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ریاست کے مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ ریاست کی

1 اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف فکر اسلامی تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

2 اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف شعبہ حدیث و سیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سلامتی، قومی وقار کی بلندی اور معیشت کا فروغ اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ بوقت ضرورت جنگ کے بیرونی وسائل و ذرائع کا حصول اور عالمی مکالمہ اسی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جب تاج دار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ قائم فرمائی تو اس میں بین الاقوامی تعلقات یعنی خارجہ پالیسی کی بنیاد بھی رکھی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ "قانون بین الممالک مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے اور چیزوں کی طرح یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر مبنی ہے"[1]۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خارجہ پالیسی کے جو رہنما اصول متعین فرمائے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ عصر حاضر میں ان اصولوں کی تفہیم اور ان پر عمل مسلمان ریاستوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ زیر نظر مقالہ میں آپ ﷺ کے خارجہ امور میں عطا کردہ اصول اور ان کے مطابق کیے گئے عملی اقدامات کو بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ارباب اختیار ان اصولوں و اقدامات کو عملی طور پر اپنی خارجہ پالیسی میں اختیار کر کے ملکی وقار، مفاد اور استحکام کو یقینی بنائیں۔

مقالہ کا اسلوب

- مقالہ کا سلوب بیانیہ و تجزیاتی ہے۔
- موقع و محل کی مناسبت سے تنقید بھی کی گئی ہے۔
- مقالہ کے اختتام پر نتائج و تجاویز دی گئی ہیں۔

(الف) خارجہ تعلقات کے نبوی اصول

تاج دار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استفادہ کے بعد ہم نے خارجہ تعلقات کے حوالہ سے درج ذیل نبوی اصول اخذ کیے ہیں۔ ان اصولوں کی وضاحت سطور ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

1. اعلائے کلمۃ اللہ

اعلائے کلمۃ اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے کلمے اور اس کے نام کی سربلندی کے لیے پوری دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس لیے کہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ سے دین فطرت لے کر آئے۔ یہ دین تمام آسمانی دینوں کا آخری اور ان کی قابل عمل تعلیمات کا جامع ہے۔ چنانچہ پوری نسل انسانی کو دین فطرت اور وحیٔ الٰہی کی طرف لانا بعثت مصطفوی کے مقاصد میں سے تھا جس کی تاکید و تلقین قرآن مجید میں کی گئی:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ[2]

"اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور خوب صورت گفتگو و نصیحت کے ساتھ بلایئے۔"

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں راقم ہیں:

"اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لئے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔۔۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لئے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبول حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے[3]۔"

بعثت مصطفوی کے عظیم مقصد کے حصول کے لیے اسلام کا غلبہ ناگزیر ضرورت تھا جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰي وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَه عَلَي الدِّيْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[4]

"وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے غالب کردے تمام ادیان پر اگرچہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔"

رب العزت کے حکم کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دین اسلام کی طرف تمام دنیا کو متوجہ کیا، انہیں اللہ کا پیغام سنایا اور اس دین کے غلبہ کے لیے ایسی عظیم جدوجہد کی جس کی نظیر عالم انسانیت میں نہیں ملتی۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا مرکزی نکتہ اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ یہ دعوت صرف حجاز تک محدود نہ رہی بلکہ عالمی سطح پر اس کا چرچا ہوا اور اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دور عالمی حکمرانوں کو دعوت دین دیتے ہوئے خطوط لکھے، عالمگیر سطح پر دین کی دعوت کے لیے مبلغین روانہ کیے اور بعض اقوام وقبائل سے معاہدات کیے۔ اسلام کے غلبہ اور اس کی بالادستی کی راہ میں حائل رکاوٹیں ختم کیں۔

عالمی سطح پر اعلائے کلمۃ اللہ کی تفہیم اور فروغ کے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام کو یہ ہدایت فرماتے کہ پہلے پہل دوسری قوموں کے سامنے اسلام پیش کرو، اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو انہیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ اسلام کی بالادستی اور برتری تسلیم کریں اور اس کے فروغ و نفاذ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اس دعوت کے باوجود بھی وہ اسلام قبول نہ کریں اور اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ بنیں تو ان سے جہاد کرو۔ گویا جہاد اور جنگ اسلام قبول نہ کرنے پر نہیں ہے، بلکہ اس کی راہ میں مزاحم ہونے پر ہے۔

آج کے دور میں مسلم حکمرانوں کی سیاست خارجہ کا یہ پہلو یعنی اعلائے کلمۃ اللہ بالکل ہی مفقود ہو گیا۔ مسلمان حکمران

یا ان کے وزراء و نمائندگان غیر مسلم حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کا فریضہ انجام دینے سے قاصر ہو چکے ہیں جس کی متعدد وجوہات ہیں اور ہو بھی سکتی ہیں لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ ہماری بزدلی، غلامی اور بدحال معیشت نے ہمیں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ اگر ہم ان تین چیزوں ہی کو ٹھیک کر لیں تو اس قابل ہو سکیں گے کہ اسلامی سیاست خارجہ کے پہلے بنیادی اصول پر عمل پیرا ہو سکیں۔

2. امورِ مشترکہ میں اتفاق کی دعوت

اختلافات مختلف ملتوں اور ادیان کے ماننے والوں میں بھی ہوتے ہیں اور ایک ہی دین کے ماننے والوں میں بھی۔ لیکن ان اختلافات کے باوجود کچھ امور و نکات ایسے ہو سکتے ہیں جو اشتراک و اتحاد کا باعث ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے مشترکات کو اپنانے کی تلقین کی ہے اور ان کی بناء پر اتحاد کی دعوت دی ہے فرمان ربی ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ[5]

"اے محبوب ﷺ آپ اہلِ کتاب سے کہہ دیجیے اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کسی اور کو رب نہ بنائے۔ یہ اہل کتاب اگر روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حاملین کتاب کے درمیان اتحاد و اتفاق کا جو ضابطہ بتایا ہے وہ قیامت تک کے لئے مشعلِ راہ اور مینارہ نور ہے۔ یہ باہمی مصالحت کیلئے ایک اہم اور معقول کلیہ ہے جس کی بنیاد پر باہمی اختلافات کے خاتمہ کے سلسلہ میں ہر موقع پر کام لیا جا سکتا ہے۔ یعنی ان باتوں پر اتفاق کر لیا جائے جو دونوں فریقوں کے درمیان مسلم اور متفق علیہ ہوں۔ اس ضمن میں دو اہم باتوں کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی کا اقرار و اظہار اور دوسری غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت۔ انہی دو امور سے متعلق ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اگر تم لوگ واقعی اختلاف مٹانا، اور اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہو تو آؤ ان بنیادی نقاط پر باہم اتفاق کر لیں۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کے ہدایت کے مطابق اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو امر مشترک کی دعوت دی۔ یہ امر مشترک وہ کلمہ ہے جس کی دعوت تمام انبیائے کرام نے دی اور اسے کمالِ حسن کے ساتھ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری عالم انسانیت تک پہنچا دیا۔ اسی امر مشترک کی دعوت دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ہر قل

کو نامہ مبارک بھجوایا جس کے مشمولات حسب ذیل ہیں:

"اللہ کے نام کے ساتھ جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خط ہے ہرقل شاہ روم کے لیے۔اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔اس کے بعد میں آپ کے سامنے دعوت اسلام پیش کرتا ہوں۔اگر آپ اسلام لے آئیں گے تو سلامتی نصیب ہو گی۔اللہ آپ کو دوہرا ثواب دے گا اور اگر آپ میری دعوت سے روگردانی کریں گے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ ہی پر ہو گا۔اور اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کسی اور کو رب نہ بنائے۔یہ اہل کتاب اگر روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں[6]۔"

اسوہ حسنہ کے اسی پہلو کی اہمیت اور عالم انسانیت کو اسلامی دعوت کے سنہرے اصول کی بابت مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے:

"اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دیجائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو[7]۔"

اسلام ،یہودیت اور عیسائیت میں سب سے نمایاں امر مشترک کلمۃ اللہ ہے جس پر اتفاق کی دعوت دی جاسکتی ہے۔عصر حاضر کی مسلم سیاست خارجہ میں اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔آج کی دنیا علمی روایت کو قبول کرتی ہے اور ایک دوسرے کی بات کو دلائل کے ساتھ سنتی ہے۔اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب میں امور ہائے مشترکہ پر نہ صرف بات چیت کرنی چاہیے بلکہ عالمی امن و سلامتی کے لیے اتفاق کی کوشش کی جانی چاہیے۔

3. مذہبی رواداری

اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت تو دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے ارشاد باری تعالی ہے:

لا اِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ[8]

"دین میں کوئی زبردستی نہیں۔"

اسلام عالمی سطح پر مذہبی و معاشرتی رواداری کو فروغ دینے کا عملی اسوہ حسنہ پیش کرتا ہے۔مذہبی رواداری کے حوالے سے میثاق مدینہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔عقیدہ عمل میں اختلاف کے باوجود مذہبی رواداری کے بارے میں میثاق مدینہ سے بہترین رہنمائی ملتی ہے چنانچہ میثاق مدینہ کی متعدد دفعات میں سے ایک اہم دفعہ یہ ہے:

للمسلمين دينهم و لليهود دينهم[9]

"یعنی مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے۔"

میثاق مدینہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر مذہبی رواداری کا لحاظ رکھا جائے تو عقیدہ کا اختلاف باہمی تعلقات، معاہدات اور اشتراک کی بنیاد پر اتحاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ عہد رسالت مآب میں جہاں غیر مسلموں کے معاشی، تعلیمی اور سیاسی حقوق محفوظ تھے وہیں انہیں مذہبی آزادی کا پورا اختیار دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نجران کے عیسائی مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت آپ مسجد نبوی میں نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ لوگ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو وہ مسجد میں ہی نماز ادا کرنے لگے۔ صحابہ کرام کو ان کا یہ عمل اچھا نہیں لگا لیکن اس کے باوجود آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ انہیں نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی[10]۔

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے مطابق بین الاقوامی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے غیر مسلموں کو ان کے مذہب پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ نجران کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ درج تھا:

"نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر وغائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجاگھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی[11]۔"

اسلامی ریاستوں میں گرجاگھر، کلیسے، مندر اور گردواڑے موجود رہے اور آج بھی ہیں کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور ان میں عبادات کی انجام دہی کے لیے سہولیات فراہم کی ہیں۔ اسلامی قانونی روایت یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات ان کے مذہب کے مطابق طے کیے جائیں گے، علامہ کاسانی نے اس بابت لکھا ہے:

ولا يمنعون من اظهار شيئ مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس في قرية او موضع ليس من امصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من أهل الاسلام وانما يكره ذلک في امصار المسلمين و هي التي يقام فيها الجمع والاعياد و الحدود، و اما اظهار فسق يعتقدون حرمته كا لزنا و سائر الفواحش التي هي حرام في دينهم فانهم يمنعون من ذلک سواء كانوا في امصار المسلمين او في امصارهم[12]

"جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں

جمعہ وعیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا جائیگا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔"

صاحبان اقتدار کو غور کرنا چاہیے کہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ مذہبی رواداری کا عملی مظاہرہ کرکے عالمی سطح پر اسلام کے پیغام انسانیت و محبت کو فروغ دیا جاسکتا ہے اور اسی عمل کے ذریعے بہترین پر امن عالمی تعلقات کی طرح بھی ڈالی جاسکتی ہے۔

4. خودمختاری و برابری

اسلامی سیاست خارجہ کا ایک اہم اصول خود مختاری و برابری ہے۔ آج کے زمانہ میں اس اصطلاح کو تمام ممالک پوری شدت کے ساتھ رائج کیے ہوئے ہیں۔ مدینہ کی اسلامی ریاست میں چودہ سو سال پہلے اس پر بھرپور عمل کیا جاتا تھا۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں عالمی سطح پر سربراہان مملکت کو جو نامہ ہائے مبارک بھیجے گئے اور ریاستوں و حکومتوں کے مابین جو معاہدات کیے گئے ان میں خود مختاری و برابری کا اصول واضح طور پر نظر آتا ہے۔ بطور نمونہ ایک یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس زمانہ میں فارس(ایران) عالمی طاقت کے طور پر جانا جاتا تھا جس کا حاکم خسرو پرویز تھا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس خط میں برابری کا اصول واضح طور پر نظر آتا ہے، خط کے مندرجات ملاحظہ کیجیے:

"اللہ کے نام سے جو بہت مہربان رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فارس کے حاکم کسریٰ کی جانب یہ نامہ ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھے اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ انسان کو آخرت کا ڈر سناؤں اور کافروں پر اللہ کے قول کی حقانیت ثابت ہو جائے -تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا۔ اگر تو نے انکار کیا تو تمام مجوسیوں کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا[13]۔"

درج بالا نامۂ مبارک کے مندرجات سے حسب ذیل چند اہم نکات مستنبط ہوتے ہیں:

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہِ فارس کو یہ خط اس اصول پر لکھا کہ تمام ممالک عالمی سطح پر خود مختار ہیں اور برابری کی حیثیت کے حامل ہیں۔
- حقیقی سلامتی اور خیر صرف اسی کے لیے ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔

- دنیا کے ہر شخص کو چاہے وہ عام آدمی ہو یا حکمران، اسلام کی دعوت دی جاسکتی ہے۔
- طاقت ور حکمرانوں کو بھی بلاخوف وخطر اسلام کی طرف بلایا جاسکتا ہے۔
- اسلام کی دعوت دینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ خاطر میں نہ لائی جائے۔
- دعوت میں سلامتی کے پہلو کو اجاگر کیا جائے۔
- مدعو کو دعوت اسلام قبول نہ کرنے کے وبال سے بھی آگاہ کیا جائے۔

عصر حاضر میں مسلم حکمرانوں کو عالمی سطح پر برابری کا اصول اختیار کر کے خارجہ تعلقات کی بنیاد رکھنی چاہیے اور بلاخوف وخطر اسلام اور اسلامی ریاست کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے۔ عالم اسلام میں پاکستان تمام ممالک اسلامیہ میں مرکز نگاہ ہے اور ایٹمی قوت ہونے کے اعتبار سے انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر پاکستان کو برابری کے نبوی اصول سے رہنمائی لیتے ہوئے عالمی سطح پر تمام ممالک سے خارجہ تعلقات بنانے چاہییں۔

5. امن واستحکام

کسی بھی ملک کے استحکام کے لیے امن ناگزیر ہوتا ہے۔ امن کے بغیر کوئی بھی ملک سلامتی، ترقی اور خوشحالی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ملک داخلی وخارجی اعتبار سے مستحکم ہو اور اس کی دفاعی صلاحیت ناقابل شکست ہو۔ یہی وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مظبوط دفاع کو حکم دیا۔ فرمان الٰہی کے مطابق مسلمانوں کو عسکری اعتبار سے اس قدر طاقتور ہونا چاہیے کہ دشمن ان سے خوفزدہ ہوں اور طاقت کا توازن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اس لیے کہ ایک مؤثر خارجہ پالیسی کے لیے جہاں داخلی استحکام اور قومی وحدت ضروری ہے، وہاں عسکری قوت میں بالادستی اور رعب بھی اس کا ناگزیر تقاضا ہے۔ چنانچہ حکم ربی ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ[14]

"تم بہ قدرِ استطاعت ان سے مقابلہ کے لیے ہتھیار تیار رہو اور چاک وچوبند گھوڑے تیار رکھو۔ ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

وہ لوگ جو دین کے حوالے سے مسلمانوں سے جھگڑا کرتے ہیں، مسلمانوں کو ان کی زمین اور وطن سے محروم کرنے کے لیے سر گرم عمل رہتے ہیں، اور ایسا کرنے والوں کے ساتھ اس معاملہ میں معاون و مددگار ہوتے ہیں، ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی اجازت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[15]

"اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی، اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

درج بالا آیت میں مذکور حکم اور اسلام کی دیگر تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ مسلمانوں سے ان کے دین کے حوالے سے جنگ و جدال کرنے والوں اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرنے والوں اور ان کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے ساتھ موالات اور گہری دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ نیک سلوک ، حسن معاشرت اور اخلاق سے منع نہیں کیا گیا[16]۔ البتہ وہ لوگ جو مسلمانوں کے ساتھ امن و سلامتی اور اچھی معاشرت کے ساتھ زندگی گذارنا چاہیں ان کے ساتھ سلامتی سے پیش آنا چاہیے اس کا حکم سورہ انفال میں دیا گیا ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ[17]

"اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر توکل کریں، بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ بین الاقوامی سطح پر برابری، رواداری اور امن و سلامتی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کہیں سے کوئی چیلنج سامنے آیا تو اسے قبول کرنے میں کمزوری نہیں دکھائی اور چیلنج کو قبول کر کے اس کا بروقت سامنا کیا۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و سلامتی کے لیے جس قدر کوشش کی اور عملی نمونہ قائم کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے اسلامی ریاست اور اس کے باشندوں کی حفاظت و سلامتی کے لیے دیگر ریاستوں اور اقوام کے ساتھ امن کے معاہدات کیے، وفود کا تبادلہ کیا اور عملی اقدامات کیے۔ آج کی دنیا میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں جو امن و سلامتی کا خواہاں نہ ہو۔ لہٰذا دور حاضر میں اسلامی مملکتوں کو اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کرتے ہوئے علاقائی و عالمی امن کے لیے عملی کوششیں کرنی چاہییں۔

6. باہمی تعاون اور حسن سلوک

ہم جس دنیا کے باسی ہیں وہ اب ایک گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر گئی ہے۔آج تمام ممالک کسی نہ کسی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں ہیں جس کی بنیاد ضرورت ہے اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔دنیا کے ہر شعبہ میں جس رفتار سے ترقی ہو رہی ہے اور نت نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں اس کی بدولت پوری دنیا ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتی۔زراعت، صنعت و تجارت، صحت اور سائنس و ٹیکنالوجی نے سبھی کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر مجبور کر دیا ہے۔اگر کوئی ملک کسی ایک یا چند شعبہ ہائے زندگی میں خود کفیل ہے تو وہ دوسرے شعبوں میں دیگر ممالک کا محتاج بھی ہے اور تعاون کا طلب گار بھی۔اس صورت حال میں تمام ممالک ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کو ان قوموں کے ساتھ جو ان کے ساتھ جنگ نہیں کرتیں اور مسلمانوں کو ان کے ملک اور زمین سے محروم کرنے کے عمل میں شریک نہیں ہوتیں، تعاون اور حسن سلوک کی شرعاً اجازت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء وفقہاء نے غیر مسلموں کے ساتھ ایسا دوستانہ ماحول قائم کرنا، برتاؤ کرنا اور باہمی تعاون کرنا جائز قرار دیا ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ غیر مسلموں کے شر و نقصان سے خود کو بچایا جائے اور دین اسلام و مسلمانوں کو نفع پہنچایا جائے۔اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

> لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ[18]
>
> " اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر نے لکھا ہے:

> لاینهاکم عن الاحسان الی الکفرة الذین لایقاتلونکم کالنساء الضعفة منهم[19]
>
> "اللہ جل شانہ نے تمہیں ان کفار کے ساتھ نیکی سے منع نہیں کیا جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی جیسے عورتیں اور کمزور بوڑھے اور بچے۔"

مولانا احمد رضا خان فتاویٰ رضویہ میں سورہ آل عمران کی آیت لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ[20]، کے جز (إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً) کو بطور دلیل اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کفار کی طرف دل اصلاً مائل نہ ہو، مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت و میلان کا پتہ دیتا ہو۔ یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدر ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے"[21] ۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں: ۱۔ موالات یعنی دوستی، ۲۔ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی، ۳۔ مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں۔ مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفعِ ضرر کے واسطے، دوسرے اس کافر کی مصلحتِ دینی یعنی توقعِ ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرامِ ضیف کے لیے۔ اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لیے درست نہیں۔ اور بالخصوص جبکہ ضرر دینی کا بھی خوف ہو تو بدرجہ اولی یہ اختلاط حرام ہو گا[22] ۔"

مفتی محمد شفیع نے مولانا تھانوی کی تشریح کو اختیار کیا ہے۔ البتہ ان کے نزدیک تمام غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کرنا جائز ہے سوائے ایسی حالت کے جس میں ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو[23] ۔

مولانا امین احسن اصلاحی راقم ہیں:

"کفار کو دوست اور حلیف بنانا اسی حالت میں ممنوع ہے جب یہ مسلمانوں کے مد مقابل ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے[24] ۔"

علامہ قرطبیؒ نے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور مدارات کے حوالہ سے یہ لکھا ہے:

"پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم مامور و مندوب ہے۔ پڑوسی خواہ مسلمان ہو یا کافر[25] ۔"

تفسیر جلالین میں علامہ سیوطی نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۶ کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اگر مسلمانوں کو کفار سے خوف و خطرہ ہو تو بظاہر ان کے ساتھ دوستانہ طرز عمل اور رواداری جائز ہے، البتہ دلی دوستی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آج بھی ایسے خطے موجود ہیں جہاں مسلمان کمزور ہیں[26] ۔"

نبی کریم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کیے اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ مصیبت و آفت کے موقع پر غیر مسلم افراد کی اعانت کرنا اور ان کے ساتھ ہمدردی و تعاون کرنا آنحضرت ﷺ کا خاصہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان غیر مسلم افراد کی بھی اعانت و فریاد رسی فرمائی جنہوں نے مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے تھے۔ رد المحتار علی ہامش در المختار میں ہے:

"ایک سال مکہ مکرمہ کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کے پاس پانچ سو دینار روانہ کیے تاکہ وہ ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم کریں[27] ۔"

عصر حاضر میں جب بھی کسی مسلم یا غیر مسلم ملک کو مصائب و آفات کا سامنا ہو تو انسان دوستی کی اسلامی تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمان ممالک کو آگے بڑھ کر تعاون کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے اس سے نہ صرف ان ممالک کو فائدہ ہو گا بلکہ اسلام کی عظمت میں بھی اضافہ ہو گا۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے امور خارجہ کی بابت یہ بنیادی اصول ہمیں ملتے ہیں جنہیں اسلام کی خارجہ پالیسی کی اساس قرار دیا جا سکتا ہے۔

(ب) خارجہ تعلقات کی بابت آپ ﷺ کے عملی اقدامات

ہم تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خارجہ پالیسی کے طے کردہ اصولوں اور ہدایات کے حوالے سے جب تحقیق کرتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ منورہ کے وجود میں آنے اور اس میں اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد بین الاقوامی تعلقات کی بابت آپ ﷺ نے کیا طرز عمل اختیار کیا تھا اور کیا کیا ہدایات دی تھیں؟ اس کے لیے درج ذیل امور زیر بحث لانا ضروری ہیں:

1. معاہدات

مکہ سے مدینہ ہجرت کے فوراً بعد سب سے پہلے مختلف معاہدات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ دستورِ مملکت جسے میثاقِ مدینہ کہا جاتا ہے، ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد مدینہ کے تمام قبائل کے مشترکہ اتحاد سے نافذ ہوا۔ تاریخ انسانی میں یہ پہلا تحریری معاہدہ شمار کیا جاتا ہے۔ چھ ہجری میں کفار مکہ کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا جو بین الاقوام معاہدات کا شاہکار ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے کفار مکہ نے مسلمانوں کو باقاعدہ ایک قوم کے طور پر تسلیم کیا۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خارجہ پالیسی کی عظیم حکمت عملی اس طرح نمایاں ہوتی ہے کہ میثاق مدینہ کی صورت میں یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کر کے ایک فلاحی ریاست تشکیل دی تھی، جس پر یہودی قائم نہ رہے اور معاہدہ شکنی کی۔ اس کی پاداش میں یکے بعد دیگرے یہودیوں کے تینوں قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ جلاوطنی کے بعد انہوں نے خیبر کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی جنگ سے پہلے قریش مکہ کے ساتھ "معاہدۂ حدیبیہ" کر کے قریش کی مخالفت کے محاذ کو خاموش کر دیا اور اس

کے فوراً بعد خیبر کے یہودیوں کو ان کی بدعہدی کی سزا دی۔ تاج دار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اقدام جنگی اور سفارتی فراست وتدبر کا عظیم شاہکار ہے۔

پاکستان سمیت دنیا کے تمام ممالک اقوام متحدہ (United Nations) کے رکن ہیں۔ اس رکنیت کی وجہ سے وہ ان تمام معاہدات اور اصول وضوابط کے پابند ہیں جو اقوام متحدہ میں یا اس کے توسط سے ہوئے ہیں۔ عالمی سیاست میں پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت بھارت کرتا ہے اور عالمی معاہدوں کی پاسداری سے روگردانی کرتا ہے۔ اس صورت حال میں پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی کا نہایت غور وخوض سے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیے اور وہ تمام اقدامات کرنے چاہییں جن سے پاکستان کو عالمی سیاست میں اہم مقام حاصل ہو۔ عالمی معاہدات کی پاسداری پر پاکستان کا موقف تو عملی طور پر واضح ہے لیکن بھارت کو ان معاہدات پر عمل درآمد کے لیے عالمی سطح پر مجبور کرنے کی بہترین حکمت عملی اختیار کرنا بھی عصر حاضر کا تقاضا ہے۔

2. مکتوبات

مکتوبات لکھنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی روایت ہزاروں سال سے قائم ہے۔ وحی کے کلمات کو صحائف اور امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو محفوظ کرنے کیلئے لکھا گیا۔ انبیا کرام علیہم السلام اور مختلف بادشاہوں وحکمرانوں نے اپنی اطاعت قبول کرنے کے مکتوب لکھے۔ کلام الٰہی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سبا کو لکھے گئے خط کا تذکرہ موجود ہے ۔ عالمی سطح پر ممالک ایک دوسرے سے مدد مانگنے کیلئے بھی خطوط لکھتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کا بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے مطالعہ کریں تو اس میں ایک انتہائی اہم پہلو آپ ﷺ کے خطوط اور مکتوبات ہیں جو سیرت کا نہایت روشن باب ہیں۔ ان سے ہم دعوت کا نبوی طریق اور عالمی سیاست کا نبوی اسلوب سیکھتے ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں کی تعداد میں نہ صرف سربراہانِ مملکت کو بلکہ مختلف اقوام اور قبائل کے سرداروں کو خطوط روانہ فرمائے تاکہ اسلام کا عالمگیر پیغام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچ جائے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ ہجری میں حدیبیہ سے واپسی پر متعدد سربراہانِ مملکت کے نام دعوتی خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا اور صحابہ کرام سے مشورہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! میں تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمام دنیا کو یہ پیغام پہنچاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریین کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ انہیں اگر قریب جانے کو کہا تو راضی ہو گئے اور اگر کہیں دور جانے کا حکم دیا

توزمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے"۔ صحابہ کرام جو اطاعت و جاںنثاری کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اپنے خلوص، تعمیلِ ارشاد اور وفا شعاری کے بڑے سخت سے سخت مراحل میں بھی اعلیٰ درجہ کی کامیابی کی سند اور رضی اللہ عنہم کا طلائی تمغہ حاصل کر چکے تھے، انہوں نے اس خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور تعمیلِ ارشاد کے لئے دل و جان سے تیار ہو گئے۔ مگر بایں ہمہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک مشورہ بھی پیش کیا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جس خط پر مہر نہ ہو سلاطین اس کو قابلِ وثوق اور قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ ایسے خط کو پڑھتے تک نہیں۔ چنانچہ صحابہ کے مشورہ سے ایک مہر بنوائی گئی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اس میں نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا، مگر صنعت حبشہ کی تھی۔ اس پر مہر کی شکل میں محمد رسول اللہ کندہ تھا[28]۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر مہر ثبت فرمائی[29]۔ قیصر و کسریٰ کے نام خطوط اور ان پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا تذکرہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر لگا کر سلاطین و امراء کو خطوط روانہ فرمائے، ان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ رعایا کی گمراہی کی ذمہ داری انہی پر عائد ہو گی۔

عصر حاضر کی عالمی سیاست میں ممالک کے مابین ضروری خطوط کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن مسلم ممالک اور ان کے حکمرانوں کی سیاستِ خارجہ سے دنیا کے غیر مسلم حکمرانوں کو دین اسلام کی دعوت دینے کا عمل خارج ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ بزدلی، فکری و معاشی غلامی اور دعوت دین کی عدم دلچسپی ہے۔ اللہ کرے یہ روش بدل جائے اور مسلمان حکمران اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے عالمی سطح پر بلا خوف و خطر دعوت دین کا فریضہ بھی انجام دیں۔

3. وفود

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام کے لیے تمام اطراف و اکنافِ عالم میں مبلغین اسلام کو بھیجتے تھے۔ ان حضرات کی تبلیغ کی بدولت بعض قبائل تو ان کے سامنے ہی دعوتِ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے تھے مگر بعض قبائل اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ وہ براہِ راست بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر مدینہ منورہ آتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعوتِ اسلام کا پیغام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جا کر پورے قبیلہ والوں کو مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ انہی قبائل کے نمائندوں کو ہم وفود عرب کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ ان وفود کی تعداد کی بابت شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابن سعد نے ستر وفود کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصا

کیا ہے اور ایک سو وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں۔ اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہیں۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف چونیتس وفود کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد 8ھ، 9ھ اور 10 ہجری میں آئے[30]۔"

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں آنے والے عالمی وفود سے جس طرح کا حسن سلوک کرتے تھے تاریخ انسانی میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ وفود کو تبلیغ کے علاوہ ان کی ضیافت کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا اور انہیں تحائف بھی دیے جاتے تھے۔ بطور نمونہ ایک مثال قارئین کی نذر کی جاتی ہے:

"چار سو افراد پر مشتمل عرب کا قبیلہ مزینہ نعمان بن مقرن کی قیادت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اور جب یہ قبیلہ واپس جانے لگا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا انہیں کچھ تحفہ دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا میرے پاس تو تھوڑی سی کھجوریں ہیں شاید اتنی کم کھجوروں سے یہ لوگ خوش نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا اے عمرؓ انہیں کچھ تحفہ ضرور دو۔ حضرت عمرؓ اس قبیلہ کے تمام نفوس کو لے کر اپنے گھر پہنچے تو حیران ہو گئے کہ کھجوروں میں اتنا اضافہ ہو چکا تھا کہ ہر شخص نے جی بھر کر کھجوریں سمیٹ لیں۔ نعمان بن مقرن نے کہا کہ سب سے آخر میں کھجوریں لینے کے لیے داخل ہوا تو مجھے محسوس ہوا کہ کھجوروں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی[31]۔"

موجودہ دور کی عالمی سیاست میں مسلم ممالک کو دین اسلام کی دعوت اور سربلندی کے غیر اسلامی ممالک میں اپنے وفود بھیجنے چاہییں۔ اور ان کو بھی وفود کے تبادلہ کی ترغیب دینی چاہیے۔ اس سے غلط فہمیاں دور ہوں گی، امن و سلامتی، رواداری اور علمی روایت کو فروغ حاصل ہو گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بین المذاہب مکالمہ اور افہام و تفہیم کا کلچر پیدا ہو گا۔

4. سربراہان مملکت سے تحائف کا تبادلہ

اجتماعی زندگی میں تحفے تحائف کا تبادلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ دراصل یہ ایک اخلاقی سماجی ضرورت ہے، اس سے محبت اور دوستی بڑھتی ہے اور تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ باہمی فاصلے کم ہوتے ہیں اور دلوں سے تکلیف ورنج کے آثار دور ہوتے ہیں۔ تاج دار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں سربراہان مملکت کو تحفے دیئے اور ان کے ارسال کردہ تحائف کو قبول بھی فرمایا۔ تحائف کا تبادلہ درحقیقت تالیف قلوب کا ایک اہم ذریعہ ہے جس سے عالمی سطح پر روابط مستحکم ہوتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ اس معاملہ میں تاج دار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے عوض ہدیہ بھی دیتے تھے[32]۔

ایک مرتبہ ایلہ کے بادشاہ نے نبی کریم ﷺ کو سفید خچر تحفے میں دیا اور ایک خوبصورت چادر پہنائی تو آپ ﷺ نے اسے اس کے علاقے کا امان نامہ لکھ دیا۔[33]

حضرت علیؓ سے روایت ہے:

ان کسریٰ اھدی له فقبل وان الملکوک اھدوا الیه فقبل منھم[34]

"کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا تو آپ نے قبول کیا۔ اسی طرح مختلف بادشاہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیے پیش کیے اور آپ نے انہیں قبول فرمایا۔"

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مد نظر رکھ کر دور حاضر میں بین الممالک تحائف کے تبادلہ سے امن و سلامتی اور رواداری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ تحائف کا چونکہ انسانی نفسیات پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے اس لیے سربراہانِ مملکت وعوام کے درمیان اس روایت کو فروغ دینا چاہیے تا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکے اور ان کے سامنے اسلام کی حقیقی تصویر پیش جاسکے۔

5۔ باہمی لین دین

کاروبار، خرید و فروخت، لین دین انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ یہ معاملات جس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیے جاتے ہیں اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی کیے جاسکتے ہیں۔ البتہ غیر مسلموں سے لین دین اور تجارتی تعلقات شرعی حدود میں رہتے ہوئے استوار کیے جانے چاہییں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بابت نہ صرف تعلیمات دی ہیں بلکہ اسوۂ حسنہ بھی عطا کیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے معینہ مدت کے لیے غلہ خریدا اور لوہے کی ذرہ رہن رکھی[35]۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہودیوں کو اس شرط پر دے دی تھی کہ وہ اس میں محنت کریں اور کھیتی باڑی کریں۔ انہیں پیداوار کا آدھا حصہ دیا جائے گا۔[36]

اس طرح کی احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ دقیق العید نے لکھا ہے:

"یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے ساتھ دنیاوی معاملات کرنا جائز ہے[37]۔"

آج کے گلوبل ولیج میں ہم کاروبار، خرید و فروخت اور لین دین کے بغیر کسی صورت نہیں رہ سکتے۔ آج ہم برآمدات اور درآمدات کے لیے عالمی منڈیوں تک رسائی چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں تعلیمات واسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مد نظر رکھ کر عالمی سطح پر کاروبار و تجارت کو فروغ دینا چاہیے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارا لین دین اسلامی اصولوں کے خلاف نہ

ہو۔اس معاملہ میں مفتی کفایت اللہ دہلوی کا یہ قول صائب ہے:

"کسی غیر مسلم کو اپنے ساتھ تجارت میں شریک کرنا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان کا دینی لحاظ سے کوئی نقصان نہ ہو[38]۔"

5. سفارت

سفارت گفت وشنید کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا ایک طریقہ کار ہے۔یہ وہ طریقہ ہے جو کسی ملک کے سفیر یا سفارتی نمائندے امور خارجہ میں فنی طور پر استعمال کرتے ہیں اور اپنے ممالک کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ممالک کے مابین سفارت کاری اہم اور حساس معاملہ ہوتا ہے۔عہد حاضر میں سفارت کاری کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔اقوام متحدہ کے قیام کے بعد اس کا رکن بننے اور دیگر ممبر ممالک کے ساتھ عالمی معاہدات ہو جانے کی وجہ سے سفارت کا معاملہ انتہائی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ سفارتی اصول واقدامات اسلامی ریاست کے لیے بہت اہم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس اپنے سفارت کار روانہ کئے۔حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد اہل مکہ سے گفت وشنید کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارت کاری کے لیے جن تربیت یافتہ صحابہ کرام کو دنیا کے حکمرانوں اور سرداروں کے پاس بھیجا ان میں عثمان بن عفان، دحیہ بن خلیفہ کلبی، عبداللہ بن حذافہ سہمی، عمرو بن امیہ ضمری، حاطب بن ابی بلتعہ، شجاع بن وہب اسدی اور حارث بن عمیر رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں[39]۔مولانا حامد الانصاری نے ان سفراء میں خراش بن امیہ، مہاجر بن امیہ، علا بن حضرمی، عمرو بن عاص سہمی اور سلیط بن عمرو عامری کے نام بھی تحریر کیے ہیں[40]۔

عصر حاضر میں سفارت کاری کو عالمی سیاست میں اہم ترین مقام حاصل ہے۔سفارت کاری کا عمل عموماً وزراء اور سفیر انجام دیتے ہیں تاہم ضرورت پڑنے پر سربراہان مملکت بھی اپنے ممالک کے بیش قیمت مفادات کو حاصل کرنے کے لیے یہ کام انجام دیتے نظر آتے ہیں۔سفارت کاری کے لیے عالمی زبان کی سمجھ، عالمی طرزِ سیاست کی واقفیت اور ملکی مفادات کے حصول کیے اچھی منصوبہ بندی وعمل اقدام کی صلاحیت ہونا ازبس ضروری ہے۔تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضمن میں جو تعلیمات اور اسوۂ حسنہ عطا کیا ہے اس سے بھرپور استفادہ کر کے تمام اسلامی ممالک کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

خلاصہ بحث

یہ شرف امتِ مسلمہ ہی کو حاصل ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و

افعال، مکتوبات، معاہدات اور آپ کی سیرت طیبہ کے تمام گوشے باقاعدہ مستند روایات کے ساتھ محفوظ اور موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال، مکتوبات، معاہدات اور سیرت طیبہ سے جہاں شرعی، فقہی اور قانونی رہنمائی ملتی ہے وہیں مذاہب عالم سے ہم آہنگی اور اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں سے تعلقات اور خارجہ پالیسی کے تعین میں ہدایات ملتی ہیں۔اس دور کے تاریخی عوامل اور بین الاقوام خارجہ حکمت عملی کے نبوی منہاج کا پتہ بھی چلتا ہے۔اس سے بھرپور استفادہ و عمل کی آج شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔چنانچہ اس طرف بھرپور توجہ دی جائے، یہی وقت کا تقاضا بھی ہے اور امن، سلامتی، ترقی اور خوش حالی کی ضمانت بھی۔

نتائج و تجاویز

ریاست کے اہم مقاصد کے حصول کے لیے حکومت کی جانب سے وضع کردہ حکمت عملی کو خارجہ تعلقات یا خارجہ امور کہتے ہیں۔ بین الاقوامی طرزِ حکومت اور مفادات کو سمجھنے کے لیے خارجہ پالیسی ایک اہم کلید ہوتی ہے۔خارجہ پالیسی صرف اور صرف ملکی و قومی مفاد پر مبنی ہوتی ہے۔ ریاست کے مفادات کا تحفظ، اس کی سلامتی، قومی وقار کی بلندی اور معیشت کا فروغ اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست مدینہ قائم فرمائی تو اس میں بین الاقوامی تعلقات یعنی خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خارجہ پالیسی کے جو رہنما اصول متعین فرمائے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ عصر حاضر میں ان اصولوں کی تفہیم اور ان پر عمل مسلمان ریاستوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام کا غلبہ اور اس کی بالادستی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ تھا۔ چونکہ اسلامی ریاستوں کی بنیاد کلمہ توحید ہے اس لیے عصر حاضر کی اسلامی ریاستوں کی خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ بھی یہی ہونا چاہیے۔اقوامِ عالم سے نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر برابری کا اصول متعین فرمایا ہے اور اس کے نظائر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔لہذا مسلمان ریاستوں کو اپنی خارجہ پالیسی برابری کے اصول پر ہی رکھنی چاہیے۔ کسی بھی ملک کے استحکام کے لیے امن ناگزیر ہوتا ہے۔امن کے بغیر کوئی بھی ملک سلامتی، ترقی اور خوشحالی حاصل نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہے کہ ملک داخلی اور خارجی اعتبار سے مستحکم ہو اور اس کی دفاعی صلاحیت ناقابل شکست ہو۔اس لیے کہ ایک مؤثر خارجہ پالیسی کے لیے جہاں داخلی استحکام اور قومی وحدت ضروری ہے، وہاں عسکری قوت میں بالادستی اور رعب بھی اس کا ناگزیر تقاضا ہے اور اس تقاضا کو پورا کرنا آج کے دور میں بے حد ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کیے اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ موجودہ دور خارجہ پالیسی میں بین الممالک باہمی تعاون کو لازمی

قرار دینا چاہیے اور یہی رحمۃ للعالمین ﷺ کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مد نظر رکھ کر دور حاضر میں بین المالک تحائف کے تبادلہ سے امن وسلامتی اور رواداری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ تحائف کا چونکہ انسانی نفسیات پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے اس لیے سربراہانِ مملکت وعوام کے درمیان اس روایت کو فروغ دینا چاہیے تاکہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکے اور ان کے سامنے اسلام کی حقیقی تصویر پیش جاسکے۔ آج ہم کاروبار، خرید وفروخت اور لین دین کے بغیر کسی صورت نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ہمیں تعلیمات واسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مد نظر رکھ کر عالمی سطح پر کاروبار وتجارت کو فروغ دینا چاہیے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارا لین دین اسلامی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بین المالک خارجہ تعلقات کو پروان چڑھانے اور بہتر بنانے کے لیے مختلف قبائل اور اَقوام سے معاہدات کیے، قبائل واَقوام کے سربراہان کو مکتوبات لکھوائے، ان کی طرف وفود بھیجے، قبائل واَقوام کے سربراہان سے تحائف کا تبادلہ کیا، تجارت اور تعاون کو فروغ دیا۔ آج بھی اسی اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ سفارت کاری کے لیے عالمی زبان کی سمجھ، عالمی طرزِ سیاست کی واقفیت اور ملکی مفادات کے حصول کیے اچھی منصوبہ بندی وعمل اقدام کی صلاحیت ہونا از بس ضروری ہے۔ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضمن میں جو تعلیمات اور اسوۂ حسنہ عطا کیا ہے اس سے بھرپور استفادہ کرکے تمام اسلامی ممالک کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست: عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد (لاہور: ناشران قرآن لمٹیڈ، 1977ء)ص: 191

2 سورۃ النحل 16: 125

3 الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز (س۔ن) 2: 617 ملخصاً

4 سورۃ التوبہ 9 : 33

5 سورۃ آل عمران 3: 64

6 امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1357ھ) کتاب بدء الوحی، حدیث (7)

7 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 1988ء) 2: 87

8 سورۃ البقرہ 2: 256

9 ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ (مصر: مطبعہ مصطفی البابی، 1381ھ) 1: 332

10 نفس مصدر 3: 733

11 بصری، محمد بن سعد، الطبقات (بیروت: دار صادر، 1416ھ) 1: 228

12 کاسانی، ابو بکر علاؤ الدین بن مسعود، بدائع الصنائع (بیروت: دار الکتب الاسلامی، 1411ھ) 7: 113

13 طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (کراچی: دار اشاعت، 2009ء) 2: 654-655 ملخصا

14 سورۃ الانفال 8 : 60

15 سورۃ الممتحنہ 60 : 9

16 نسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود، مدارک التنزیل (بیروت: دار المعرفہ، 1402ھ) 6: 112

17 سورۃ الانفال 8 : 61

18 سورۃ الممتحنۃ 60 : 8

19 ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (بیروت، ادارہ اندلس، 1385ھ) 4: 446

20 آل عمران 3 : 28

21 بریلوی، مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ (لاہور: رضا فاؤنڈیشن، 1419ھ) 14: 466 ملخصاً

22 تھانوی، مولانا اشرف علی، بیان القرآن (لاہور: تاج کمپنی، 1980ء) 1: 204

23 تفسیر معارف القرآن 1: 134

24 اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2010ء) 2: 412

25 قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (بیروت: دار الفکر، 1415ھ) 5: 481

26 سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1988ء) ص: 49

27 شامی، محمد امین ابن عابدین، رد المحتار علیٰ ہامش الدر المختار (ترکی: مطبعہ عثمانیہ، 1382ھ) 2: 342

28 کاندھلوی، محمد ادریس، سیرت المصطفیٰ (لاہور، الفیصل ناشران کتب (س-ن) 2: 409

29 الطبقات ابن سعد 2: 29

30 شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (لاہور: ناشران قرآن لمٹیڈ، 1920ء) 2: 51

31 الطبقات ابن سعد 2: 48

32 صحیح البخاری، کتاب الھبۃ، باب المکافاۃ فی الھبۃ، حدیث (2445)

33 صحیح البخاری، کتاب الھبۃ، باب قبول الھدیۃ من المشرکین، حدیث (2128)

34 امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 1998ء) کتاب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین، حدیث (1576)

35 صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الشراء النبی ﷺ بالنسیۃ، حدیث (2068)

36 صحیح البخاری،، کتاب الشرکہ، باب مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ، حدیث (2499)

37 محمد بن علی بن دقیق العید، احکام الاحکام (قاہرہ: دار احیاء التراث العربی، 1421ھ) 3: 196

38 مفتی کفایت اللہ، کفایت المفتی (کراچی،، دار اشاعت، 2011ء) 9: 410

39 السیرۃ النبویہ 3: 607

40 مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت (لاہور: مکتبۃ الحسن، 1978ء) ص: 356